© rasailojaraid.com

سید عزیز الرحمٰن

ڈاکٹر محمود احمد غازی اور محاضرات حدیث

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ان چنیدہ شخصیات میں سے تھے، جن کے کام مختلف حوالوں سے تادیر اہل ذوق کی تشنگی کو دور کرتے رہیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمات کا تنوع ہمارا موضوع نہیں، ہم آج کی نشست میں صرف ان کی ایک علمی خدمت محاضرات حدیث کے حوالے سے تعارفی سطور تحریر کریں گے۔

علمی اور فکری خطبات ومحاضرات کی روایت علم دنیا کے لئے نئی بات نہیں، البتہ برعظیم پاک وہند میں یہ روایت زیادہ قدیم معلوم نہیں ہوتی۔ مدراس میں علامہ اقبال اور پھر علامہ سید سلمان ندوی رحمہ اللہ کے خطبات سے اس روایت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں خطبات مدراس اپنا تعارف خود ہے، جو آج سیرت کے کلاسیکی ذخیرے کا نمایاں اور اہم ترین حصہ شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالماجد آبادی کی سیرت نبوی قرآنی بھی اسی روایت کا تسلسل ہے، پھر یہ سلسلہ خطبات بہاول پور کی صورت میں ایک مضبوط اور معروف حقیقت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ کے بارہ خطبات کا اہتمام کیا گیا، جو خطبات بہاول پور کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس کے بعد بھی پاک وہند میں اس نوعیت کے خطبات وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے، مگر اس روایت کا تسلسل اور عروج ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے سلسلہ محاضرات کی شکل میں نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اس اہم علمی سلسلے کا آغاز محاضرات قرآنی سے ہوا، یہ خطبات پہلی بار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جولائی ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئے، مگر یہ خطبے اس سے پہلے ۲۰۰۳ء میں الہدیٰ انٹرنیشنل کے زیر اہتمام اسلام آباد میں دیئے گئے تھے۔اس سلسلے کے چھ مجموعہ محاضرات سامنے آسکے۔اگر چہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں چند مزید محاضرات کا خاکہ بھی موجود تھا، جن میں خصوصیت کے ساتھ تعلیم اور عقیدہ وکلام جیسے اہم موضوعات شامل تھے، مگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کا بلاوا آگیا اور وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

اس سلسلے کے مجموعے زمانی ترتیب کے ساتھ یہ ہیں:

۱۔محاضرات قرآنی

۲۔محاضرات حدیث

۳۔محاضرات فقہ

۴۔محاضرات سیرت

۵۔محاضرات شریعت

۶۔محاضرات معیشت وتجارت

اس سلسلے کی آخری کتاب ڈاکٹر صاحب کے انتقال سے تقریباً پانچ ماہ قبل اپریل ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

اس سلسلے کے ابتدائی تین مجموعے الہدیٰ انٹرنیشنل کے زیر اہتمام دیئے گئے خطبات پر مشتمل ہیں، جب کہ محاضرات سیرت کا اہتمام ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی۔ اسلام آباد کی جانب سے فیصل مسجد کیمپس میں کیا گیا۔ پانچویں مجموعے کے آٹھ خطبات ابتدا میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد کے زیر اہتمام دیئے گئے۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب نے ان خطبات پر نظر ثانی فرمائی اور اضافے کیئے، نیز مزید چار خطبات شامل کر کے اس مجموعے میں بھی بارہ خطبات کی تکمیل کی۔ان محاضرات کی ابتدائی شکل جو آٹھ خطبات پر مشتمل ہے، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی جانب سے شریعت اسلامیہ اور عصر حاضر کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

لیکن اس سلسلے کا آغاز خطبات بہاول پور، جلد ۲ سے ہوا تھا۔ یہ خطبات ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطبات بہاول پور کے تسلسل کے طور پر ۱۹۹۵ء میں دیئے گئے تھے، اور اسی نام سے اسلامی یونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورسٹی بہاول پور کی جانب سے شائع ہوئے۔اس کا نیا ایڈیشن شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کی جانب سے ۲۰۰۷ء میں اسلام کا قانون بین الممالک کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس اشاعت کے خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تخریج روایات اور حواشی کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ یوں ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے سلسلۂ محاضرات کی سات جلدیں ہمارے سامنے ہیں۔(۱)

ان سطور میں محاضرات حدیث کا تعارف مقصود ہے۔محاضرات کا یہ مجموعہ حسب روایات بارہ خطبات پر مشتمل ہے، اور حدیث، سنت اور علوم حدیث کے حوالے سے بہت سے اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، اور یہ جا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں علوم حدیث کے موضوع پر بعض اہم اور مفصل کتب کی موجودگی کے باوجود یہ کتاب اپنے مباحث، اسلوب، پیش کش اور انداز بیان کے حوالے سے نمایاں اور ممتاز ہے۔مختصر وقت میں علمی اور عوامی حلقوں میں اس کا تعارف اور پذیرائی بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔خصوصیت کے ساتھ بعض دقیق ابحاث کو اس سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے توسط سے انہیں جاننے کے بعد ان میں کوئی الجھاؤ یا ثقالت نہیں رہتی۔

محاضرات حدیث میں شامل بارہ خطبات کی تفصیل یہ ہے:

پہلا خطبہ: حدیث، ایک تعارف

دوسرا خطبہ: علم حدیث کی ضرورت اور اہمیت

تیسرا خطبہ: حدیث اور سنت بہ طور ماخذ شریعت

چوتھا خطبہ: روایت حدیث اور اقسام حدیث

پانچواں خطبہ: علم اسناد و رجال

چھٹا خطبہ: جرح و تعدیل

ساتواں خطبہ: تدوین حدیث

آٹھواں خطبہ: رحلۃ اور محدثین کی خدمات

نواں خطبہ: علوم حدیث

دسواں خطبہ: کتب حدیث۔شروح حدیث

گیارہواں خطبہ: برِ صغیر میں علم حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارہواں خطبہ: علوم حدیث دورِ جدید میں

اس طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مجموعے میں علومِ حدیث کے حوالے سے تمام ممکنہ پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ محاضرات حدیث کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کے تمام مجموعہ ہائے محاضرات کی ایک مشترکہ خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ تمام محاضرات مختصر نوٹس کی مدد سے زبانی دیئے گئے تھے۔ ان محاضرات میں بیان ہونے والے دقیق مباحث اور تفصیل طلب امور کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر مضبوط حافظہ عطا کیا تھا اور ان کا مطالعہ بھی کس قدر وسعت کا حامل تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے محاضرات حدیث میں ہی مستشرقین کے اعتراضات کا رد کرتے ہوئے محدثین کے قوت حفظ کا ذکر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا موقف یہ ہے کہ ''جو شخص علم حدیث میں دل چسپی لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حافظے میں برکت عطا کر دیتا ہے۔ اس دور میں بھی جن لوگوں کا آپ نے بہترین حافظہ دیکھا ہوگا یا آئندہ دیکھنے کا موقع ملے گا وہ علم حدیث سے وابستہ ہوں گے، اور جن کا علم حدیث کے ساتھ اختصاص کا تعلق ہوگا وہ حافظے اور یادداشت میں دوسروں سے نمایاں طور پر ممتاز نظر آئیں گے۔ محدث جلیل مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حافظے کے واقعات ہم سب نے کثرت سے سنے ہیں۔ ماضی قریب میں شیخ عبدالعزیز بن باز اور شیخ ناصر الدین البانی کے حیرت انگیز حافظے کا مشاہدہ کرنے والے کثرت سے موجود ہیں''۔ (۲)

ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک استاد مولانا عبدالرحمٰن مینوی کا بھی اس حوالے سے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ ان کا حافظہ نہایت غیر معمولی تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے بہ قول مولانا عبدالرحمٰن فجر کی نماز کے بعد درس کا آغاز کیا کرتے تھے اور ظہر تک مسلسل پڑھایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

> میں نے ان کے کمرے میں کوئی کتاب، کوئی نوٹس، کوئی یادداشتیں، کوئی اس طرح کے پوائنٹس بھی لکھے ہوئے نہیں دیکھے، جس طرح کہ میں نے اس کاغذ کے پرزے پر لکھے ہوئے ہیں۔ وہ فجر کی نماز کے بعد بیٹھتے تھے اور زبانی بیان کرنا شروع کر دیتے تھے۔ پڑھنے والا طالب علم ایک ایک حدیث پڑھتا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ اس حدیث پر زبانی گفت گو کیا کرتے تھے، اور بتایا کرتے تھے کہ اس حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں دس مسائل ہیں، اس میں گیارہ مسائل ہیں، اس میں پندرہ مسائل ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے، دوسرا یہ ہے، تیسرا یہ ہے۔ اس کے بعد فرماتے آگے چلو، درمیان میں ہر راوی پر ایک ایک کر کے جرح یا تعدیل کرتے تھے کہ اس راوی کے بارے میں فلاں نے یہ لکھا ہے، فلاں نے یہ لکھا ہے، فلاں نے یہ لکھا ہے اور ہر راوی کی پوری تفصیل بیان کیا کرتے تھے، اس حدیث میں جتنی روایات، طرق variations ہوتی تھیں وہ سب بیان کیا کرتے تھے۔ میں نے کبھی ان کو کوئی کتاب چیک کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اگر میں ان کو نہ دیکھتا تو شاید میں بھی کبھی کبھی اس شبہ میں پڑ جایا کرتا کہ جو کچھ محدثین کی یادداشت کے بارے میں سنا ہے وہ شاید مبالغہ آمیز ہو، لیکن چوں کہ ان کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس لئے میرے ذہن میں کسی مبالغہ آمیزی کا وسوسہ نہیں آتا۔ (۳)

یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب مزید فرماتے ہیں:

میں نے کئی اور لوگوں کو بھی دیکھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم حدیث سے وابستہ رہنے والے افراد کے حافظے میں ایک خاص برکت عطا فرما دیتا ہے جو باقی لوگوں کے حافظے میں اکثر نہیں ہوتی۔ (۴)

کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود بھی حدیث اور علوم حدیث سمیت علوم اسلامی کے ساتھ کثرت شغف کی برکت سے خاص طور پر قوت حفظ میں اسی برکت سے متمتع تھے۔

محاضرات حدیث سمیت ڈاکٹر صاحب کے سلسلہ ہائے محاضرات کی ایک اور خصوصیت ان کا عام فہم اسلوب ہے۔ دقیق سے دقیق بحث کو ڈاکٹر اتنے سہل انداز میں پیش کرتے ہیں کہ بات ذہن نشین بھی ہو جاتی ہے اور کوئی ابہام بھی باقی نہیں رہتا۔ وحی کی اقسام پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ پر وحی دو طریقوں سے آتی تھی۔ ایک وہ وحی ہوتی تھی جو وحی جلی کہلاتی ہے۔ یعنی جس کے الفاظ، جس کی عبارتیں، جس کے کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے اور جس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ وہ وحی تھی جس کے الفاظ اور کلمات معجز ہیں، جس کا اسلوب، جس کا معیار، جس کی فصاحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وبلاغت معجزے کی سطح تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہ وحی قرآن مجید کہلاتی ہے۔

اس کے علاوہ جو وحی ہوتی تھی وہ متعین الفاظ میں نہیں ہوتی تھی، وہ سنت ہے۔ جس کے صرف معنی اور مفاہیم حضور ﷺ تک منتقل ہوئے۔ یہ وحی بعض اوقات جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے سے نازل ہوئی۔ بعض اوقات کسی اور ذریعے سے بھی نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے خواب میں کوئی چیز دیکھی، یا ویسے اللہ نے دل میں کوئی چیز ڈال دی۔ سنت حضور ﷺ تک پہنچانے کے لئے وحی خفی کی رہ نمائی کے کئی طریقے تھے، جس میں وہ طریقہ بھی شامل تھا جس طریقے پر قرآن مجید نازل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی طریقے شامل تھے۔ بہ ہر حال وحی خفی کہلاتی ہے، یعنی جسے آپ انگریزی میں Tacit Revelation کہہ سکتے ہیں۔ دوسری Express Revelation یا وحی جلی ہے، جو اپنے الفاظ کے ساتھ نازل ہوتی تھی۔ وحی خفی معانی اور پیغام پر مشتمل ہوتی تھی جس میں الفاظ اللہ کی طرف سے نہیں تھے لیکن معانی حضور ﷺ پر نازل فرمائے گئے اور حضور ﷺ نے اپنے الفاظ میں اس کو بیان فرمایا۔(۵)

ڈاکٹر صاحب نے سنت کے فوائد پر بھی کلام کیا ہے اور اس کی عملی حیثیت کو نہایت سادہ اسلوب میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

سنت میں وحی الٰہی کی ایک عملی تشکیل فراہم کر دی گئی ہے۔ ایک جیتا جاگتا عملی نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا گیا ہے، جس میں وحی الٰہی کے ایک ایک حکم، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی پوری نقشہ کشی کر دی ہے کہ اس پر عمل درآمد ایسے ہوگا۔ اب کسی لفظ کے بارے میں ابہام نہیں ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ کس لئے اختیار کیا گیا ہے؟ اور اس میں کیا کہا گیا ہے؟ اگر سنت کا یہ کارنامہ نہ ہوتا تو قرآن مجید کے اصول صرف نظری بیانات اور خوش گوار اعلانات ہوتے۔ قرآن مجید کے اعلانات بھی نعوذ باللہ مجرد اعلانات بن کر رہ جاتے، جیسے تورات اور انجیل کے اعلانات محض لفظی بیانات ہو کر رہ گئے۔(۶)

ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ حدیث کے مقابلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں دوسرے مذاہب کی کتب کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ اس بحث سے حدیث کے مقام، مرتبے اور دیگر مذاہب کے لٹریچر کے مقابلے میں اس کی حیثیت وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ سابقہ آسمانی کتابوں کو دیکھیں۔ آج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ناپید ہے۔ ان پر اتارے جانے والے صحیفے ناپید ہو گئے۔ ان کے ارشادات ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ ان کی سنت کے بہت معمولی اور مبہم سے آثار ہیں، جو اس لئے محفوظ رہ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں وہ شامل ہو گئے، عرب میں ان کا رواج تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کو شریعت کا حصہ بنا دیا۔ اس لئے وہ آج محفوظ ہیں ورنہ وہ اتنے بھی محفوظ نہ رہتے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے والے آج کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ان کی ایک ریاست بھی موجود ہے جس کے پاس بڑے بڑے وسائل ہیں۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت موجود ہے کہ نہیں ہے۔ ان کے ارشادات موجود ہیں کہ نہیں ہیں۔ اس کے بارے میں یہودی بھی یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ان کے پاس جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے منسوب ہے وہ ایک انتہائی غیر مستند، مبہم اور غیر تاریخی چیز ہے۔ مختلف انداز سے اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ لیکن کوئی یہودی یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہی کے ارشادات گرامی ہیں۔

یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ آج یہ چار انجیلیں ان کے ارشادات کا سب سے بڑا ماخذ مانی جاتی ہیں۔ اناجیل اربعہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، جو عیسائیوں کے نزدیک مستند ہیں یا وہ ان کو مستند سمجھتے ہیں، ان میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی سیرت بیان ہوئی ہے۔ لیکن اگر آپ تاریخ کے ایک ایسے طالب علم کے نقطۂ نظر سے دیکھیں جو چیزوں کو میرٹ پر جاننا چاہتا ہو، اور محض کسی عقیدت مندی کی بنیاد پر چیزوں کو نہ مانتا ہو تو آپ کو پتہ چلے گا کہ تاریخی اعتبار سے ان بیانات کی کوئی حیثیت نہیں۔ اول تو وہ بیانات اتنے مبہم ہیں جس کی کوئی حد نہیں، اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اگر کوئی ان کی فہرست بنانا چاہے تو ان کی تعداد شاید تیس یا چالیس پچاس سے زیادہ نہیں بن سکتی۔ پھر اگر ان بیانات کو درست مان بھی لیا جائے تو ان کی تاریخی Authenticity کیا ہے۔ اس معاملے میں عیسائی مورخین بھی خاموش ہیں اور دنیا کے دوسرے مورخین بھی خاموش ہیں۔ جن لوگوں نے ان اناجیل کو بیان کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں سے کوئی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاصر نہیں تھا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کو کس نے سب سے پہلے بیان کیا؟ کس زبان میں بیان کیا؟ کس جگہ بیٹھ کر اس کو مرتب کیا۔ پہلے پہل اناجیل کا جو نسخہ مرتب کیا گیا تھا وہ کہاں ہے؟ ان میں سے کوئی چیز آج موجود نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کچھ لوگوں نے یہ چیزیں لکھیں۔ ساٹھ، ستر یا پچھتر سال بعد لوگوں نے یہ چیزیں مرتب کیں۔ ان ابتدائی تحریروں میں سے کوئی چیز بھی تحریری شکل میں آج موجود نہیں ہے۔ ان میں سے ایک نسخے کا بعد میں کسی شخص نے ترجمہ کیا تھا۔ وہ ترجمہ کرنے والا کون تھا؟ یہ بھی معلوم نہیں۔ وہ اس زبان کو جانتا تھا جس میں انجیل پہلے پہل لکھی گئی یا نہیں جانتا تھا؟ یہ بھی معلوم نہیں۔ اس نے صحیح ترجمہ کیا؟ یہ بھی نہیں معلوم، مکمل ترجمہ کیا؟ یہ بھی نہیں معلوم۔ اپنی طرف سے کچھ ملا دیا؟ یہ بھی نہیں معلوم۔ کچھ چیزیں حذف کر دیں؟ یہ بھی نہیں معلوم۔ اس نے ترجمہ کر کے چھوڑ دیا۔ وہ ترجمہ دو ڈھائی سو سال بعد کہیں سے دریافت ہوا، اور اس غیر مستند ترجمے کے یہ سارے ترجمے ہیں جو آج عہد نامہ جدید کی پہلی چار کتابوں کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ اناجیل اربعہ کی تاریخی حیثیت ہے۔

اس کے مقابلے میں آپ دیکھیں سنت رسول ﷺ کو، جس کی تفصیل میں آگے چل کر مزید بیان کروں گا کہ اگر آج میں آپ سے یہ بیان کروں کہ یہ حدیث مبارک جو ابھی میں نے پڑھی انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری مانویٰ میں آپ سے بیان کر سکتا ہوں کہ مجھ سے یہ حدیث کس نے بیان کی۔ اس سے کس نے بیان کی اور میں رسول اللہ ﷺ تک پوری سند آپ کو سنا سکتا ہوں۔ اور ان شاء اللہ آخری دن میں تبرک کے طور پر بیان بھی کر دوں گا۔ پوری سند میں آپ کے سامنے بیان کر دوں گا کہ صحاح ستہ کی احادیث میں کس روایت سے بیان کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے علاوہ دنیا میں کسی اور کے پاس ایسی کوئی چیز موجود نہیں۔ دنیا کے لئے یہ بات ناقابل تصور ہے کہ ایسی کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بہت پہلے تھے۔ آج سے سو دو سو سال پہلے کے کسی آدمی کا بیان اس سند کے ساتھ موجود نہیں کہ سند میں شامل ہر آدمی ایک تاریخی وجود رکھتا ہو اور آپ کو اختیار ہو کہ ہر ایک کے بارے میں پوچھیں کہ یہ آدمی کون تھا؟ اور میری ذمے داری ہو کہ میں تاریخ سے ثابت کروں کہ یہ فلاں صاحب تھے، فلاں جگہ پیدا ہوئے تھے یہ ان کا نام تھا اور یہ ان کا کارنامہ ہے۔ یہ چیز دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔(۷)

ڈاکٹر صاحب نے محاضرات حدیث میں بھی اور اپنے بعض دوسرے خطبوں میں بھی حجیت حدیث کو مختلف سیاق وسباق بیان کیا ہے۔خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان اختصار کے باوجود ندرت رکھتا ہے۔(۸) چناں چہ ڈاکٹر صاحب حجیت سنت وحدیث پر اس طرح کلام کرتے ہیں:

> حُجیتِ سنت، یعنی کہ سنت کتاب اللہ کے ساتھ حجت ہے اور قرآن مجید کے احکام کی شارح ہے۔اس پر فقہائے اسلام نے بڑی تفصیل کے ساتھ غور کیا ہے، اور سنت کی کردار پر بات کی ہے۔قرآن مجید میں بنیادی اصول یعنی اصول عامہ ہیں۔سنت میں ان اصولوں کی تطبیق بیان کی گئی ہے۔قرآن پاک میں اجمال ہے، سنت میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔مثلاً قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فریضہ یہ ہے کہ لتبین للناس مانزل الیھم، کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کردے۔بیان کی مختلف قسمیں ہیں۔سب سے پہلے تو بیانِ مراد ہے کہ کسی چیز سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے۔اقیموا الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے مراد کیا ہے۔ولله علی الناس حج البیت میں حج سے مراد کیا ہے؟ خذ من اموالھم صدقة میں صدقے سے مراد کیا ہے؟ یہ ساری چیزیں محتاج وضاحت ہیں۔اور سنت کا کام یہ ہے کہ ان چیزوں کا اصل معنی کو واضح کردے۔
>
> سنت اگر نہ ہوتو پھر قرآن پاک کے ان الفاظ کے کوئی معنی متعین نہیں کئے جاسکتے۔نہ لغت کی مدد سے متعین کئے جاسکتے ہیں نہ کسی اور ذریعے سے۔قرآن پاک میں اعتکاف کا تذکرہ ہے وانتم عاکفون فی المساجد، اعتکاف سے کیا مراد ہے؟ عاکف کس کو کہتے ہیں۔قرآن پاک میں اس طرح کے درجنوں نہیں سیکڑوں احکام ہیں، جن کی کوئی تعبیر وتشریح کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اگر سنت کی تعبیر وتشریح ہمارے سامنے نہ ہو۔
>
> اس طرح قرآن پاک ہی کچھ آیات میں کچھ الفاظ ہیں جن کے لئے فہم کی اصطلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال کی گئی ہے، یعنی ان کی مراد واضح نہیں ہے۔ سنت سے ان کی تفسیر ہو جاتی ہے۔ کچھ آیات ہیں جو مجمل ہیں۔ سنت سے ان کی تفصیل آجاتی ہے۔ کچھ آیات ہیں جو مطلق اور عمومی انداز میں آئی ہیں۔ سنت سے ان کی تقیید ہو جاتی ہے۔ سنت اس کو قید کر دیتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کچھ الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں عام استعمال ہوئے ہیں، سنت ان کو خاص کر دیتی ہے کہ اس سے خاص مراد یہ ہے اور اس سے باہر نہیں ہے۔ کچھ احکام ہیں جن کے لئے تشریح کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کو نافذ کیسے کیا جائے گا۔ سنت سے ان احکام کی شرح ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں کچھ احکام ہیں کہ سنت سے اس کے دائرے میں توسیع ہو جاتی ہے کہ اگر چہ اس کا دائرہ بہ ظاہر یہاں تک معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا انطباق آگے بھی ہوگا۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ قرآن میں ان کے متعلق ایک اصول آیا ہے لیکن اس اصول سے کون کون سے جزوی مسائل نکلتے ہیں ان کی مثالیں سنت نے دے دی ہیں۔ یہ کام ہے، قرآن پاک کی رو سے سنت کا۔ سنت رسول ﷺ کا یہ کام ہے کہ ان سب چیزوں کی وضاحت کرے۔(۹)

حدیث قدسی حدیث کی ایک بہت معروف قسم ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس پر بھی کلام کیا ہے۔ احادیث قدسیہ میں کلام اللہ کا ہوتا ہے، قرآن کریم بھی بہ راہِ راست اللہ کا کلام ہے، پھر ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ یہ بحث ضروری بھی ہے اور دل چسپ بھی، ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے حدیث قدسی اور قرآن حکیم میں بہت سے فرق شمار کرائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

احادیث قدسیہ اور قرآن مجید کے درمیان چند بنیادی فرق ہیں:

پہلا فرق تو یہ ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے، احادیث قدسیہ معجزہ نہیں ہیں۔ یعنی قرآن کے الفاظ اور عبارت کی فصاحت و بلاغت اور کلمات کی بندش و بلندی، یہ معجزہ ہے۔ احادیث قدسیہ میں ضروری نہیں کہ معجزہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ معجزہ ہونے کی حد تک بہت اونچا معیار ہو، ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کی روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے، قرآن مجید کے مفہوم کو آپ اپنے الفاظ میں بیان کر دیں اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **هذا كتاب لا شك فيه** یہ عربی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان میں میں نے روایت بالمعنیٰ کی ہے، یہ جائز نہیں ہے۔ یہ حرام ہے۔ مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (۱۰)

لیکن اگر میں اس مفہوم میں حدیث قدسی کو بیان کردوں تو یہ جائز ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے پھر مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کردوں اور نقل کردوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، یہ حرام نہیں ہے۔ اگرچہ افضل یہی ہے کہ اصل الفاظ میں بیان کیا جائے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ قرآن پاک اگر کہیں لکھا ہوا ہو تو بیشتر فقہا کے نزدیک بے وضو اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر حدیث قدسی لکھی ہوئی ہو تو بغیر وضو اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے، اگرچہ ادب کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے جس پر غسل فرض ہو، لیکن حدیث قدسی اس حالت میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ نہ پڑھے۔ محدثین کرام نے علم حدیث کے انتہائی احترام کی جو مثالیں قائم کی ہیں ان کا تقاضا یہی ہے کہ بغیر وضو ارشادات رسول کو نہ پڑھا جائے۔ امام مالکؒ جب درس دیا کرتے تھے ان سے زیادہ اہتمام کے ساتھ علم حدیث کا درس کسی نے نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت سے بھی نوازا تھا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ جس مکان میں رہتے تھے یہ وہ مکان تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعود کا تھا۔ یہ مکان انہوں نے خریدا تھا اور اس میں رہتے تھے، اور ایک مکان الگ سے خرید کر اس کو درس حدیث کے لئے مختص کیا ہوا تھا۔ وہ حضرت عمر فاروق کا مکان تھا۔ اس مکان میں جب امام مالکؒ درس کے لئے تشریف لایا کرتے تھے تو پورے مکان میں خوش بوئیں بکھیری جاتی تھیں، سفید چادریں بچھادی جاتی تھیں، امام مالکؒ کی طرف سے لوگوں کی خدمت کرنے، پانی پلانے اور خوش بو لگانے کے لئے ملازمین مامور ہوتے تھے، گرمی کے موسم میں وقفے وقفے سے خوش بو چھڑکی جاتی تھی۔ جس شان سے کوئی بادشاہ دربار میں آتا ہے اسی شان سے امام مالکؒ تشریف لاتے تھے۔ بہترین لباس پہن کر اور خوش بو لگا کر تشریف لاتے تھے اور اتنے وقار سے درس حدیث دیا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ درس حدیث دیتے ہوئے ان کا چہرہ سترہ مرتبہ متغیر ہوا، لیکن ان کے طرز عمل اور روانی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جب گھر تشریف لائے تو کسی سے کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ دیکھو میرے کپڑوں میں کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بچھو گھس گیا تھا جس نے سترہ مرتبہ ان کو ڈنک مارا لیکن انہوں نے ادب واحترام کی خاطر اس مجلس کو موقوف نہیں کیا اور اسی روانی کے ساتھ درس جاری رکھا۔ احترام کا تقاضا تو یہ ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی جائز ناجائز کو جاننا چاہے تو وضو نہ ہونے کی حالت میں حدیث قدسی کی تحریر کو چھو سکتا ہے اور غسل نہ ہونے کی حالت میں حدیث قدسی پڑھ سکتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے، حرام نہیں ہے۔

پانچواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کی نماز میں تلاوت ہوتی ہے، حدیث قدسی کی نماز میں تلاوت نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی شخص حدیث قدسی نماز میں پڑھ لے تو تلاوت کا جو رکن ہے اور فرض ہے، وہ ادا نہیں ہوگا۔ قرآن پاک کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو شخص ایک حرف کی تلاوت کرے اس کو دس نیکیاں ملیں گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، انہوں نے فرمایا کہ لا اقوال الم حرف پہلے انہوں نے حدیث بیان فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن پاک کے ایک حرف کی تلاوت کی اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ پھر انہوں نے اپنی فہم بیان فرمائی کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الم میں ایک حرف ہے، بل الف حرف ولام حرف و میم حرف الف الگ حرف ہے لام الگ حرف ہے میم الگ حرف ہے۔ یہ خصوصیت صرف قرآن پاک کی ہے جو حدیث قدسی کو حاصل نہیں ہے۔ حدیث قدسی آپ پڑھیں تو اس میں اتنا اجر نہیں ہے جو قرآن پاک کی تلاوت میں ہے۔

چھٹا بڑا فرق یہ ہے کہ قرآن پاک وحی جلی ہے اور حدیث قدسی وحی خفی ہے۔

ساتواں فرق یہ ہے کہ قرآن پاک روح امین یا جبرئیلؑ لے کر نازل ہوتے تھے۔ جب کہ حدیث قدسی کسی بھی طریقے سے آسکتی تھی۔

آٹھواں فرق یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے جس کی تلاوت ہوتی ہے۔ حدیث قدسی وحی متلو نہیں ہے، اس کی تلاوت نہیں ہوتی۔

نواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ متواتر ہیں۔ ضروری نہیں کہ حدیث قدسی بھی متواتر ہو۔ اگرچہ ایک دو قدسی حدیثیں ایسی ہیں جو کہ متواتر بھی ہیں، لیکن اکثر احادیث قدسیہ متواتر نہیں ہیں۔

دسواں فرق یہ ہے کہ قرآن پاک مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور یک جا موجود ہے، احادیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدسیہ مصاحف میں نہیں ہیں اور کسی ایک سرکاری یا باضابطہ مجموعے میں یک جا موجود نہیں ہیں۔ (۱۱)

علوم اسلامی بہت سے حوالوں سے عام دنیا خصوصاً عالم مغرب کے سلسلۂ علم و فضل سے مختلف و ممتاز ہیں۔ یہ بات مختلف پیرایۂ بیان میں مختلف حضرات پہلے بھی کرتے رہے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے بھی حدیث کے حوالے سے ایک خاص پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کے اسلوب نے اس بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب خصوصیت کے ساتھ علوم حدیث میں اسناد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے بعد جب تابعین کا زمانہ آیا تو روایات کی جانچ پڑتال کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ اکثر تابعین صحابہ کرام کے تربیت یافتہ تھے مگر ہر تابعی کا معیار وہ نہیں تھا جو صحابہ کرام کے تربیت یافتگان کا تھا۔ اس بنا پر اسناد کی طرف توجہ کی گئی اور یہ مقولہ ان ہی حالات میں سامنے آیا:

الاسناد من الدین

یعنی اسناد بیان کرنے کا مقصد دین کا حصہ ہے۔ اور اسی تناظر میں عبداللہ بن مبارک کا یہ قول بھی ہے:

لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء

اگر اسناد نہ ہوتیں تو دین کے بارے میں جس کا جو جی چاہتا وہ کہہ دیا کرتا، اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا۔

اس لئے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، اسناد کا عمل لازم قرار دیا گیا۔ سند کا تصور صرف اور صرف مسلمانوں کی علمی روایات کا حصہ ہے، جس کی کوئی مثال، کوئی نظیر، کسی قوم کی مذہبی و غیر مذہبی روایت میں نہیں پائی جاتی۔ (۱۲)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> مسلمانوں کے ہاں نہ صرف علم حدیث میں، بل کہ تمام علوم وفنون میں اسناد کی پابندی لازمی سمجھی گئی۔ آپ تفسیر کی پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجئے، آج ہی جا کر تفسیر طبری دیکھیں۔ اس میں ہر بات اور تفسیر سے متعلق ہر جملہ پوری سند کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ابن جریر طبری نے یہ جملہ یا قول کس سے سنا، انھوں نے کس سے سنا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالآخر یہ بات یا صحابہ کرام تک یا رسول اللہ ﷺ تک یا جہاں تک وہ بیان کرنے والا بیان کرنا چاہے، وہاں تک پہنچتی ہے۔ طبری کی تفسیر میں بغیر حوالے اور بغیر سند کے ایک جملہ بھی نقل نہیں کیا گیا، الا یہ کہ وہ بات ابن جریر طبری کی اپنی رائے ہو۔ ایک سے زائد احادیث پر جہاں وہ تبصرہ کرتے ہیں وہاں لکھتے ہیں، وقال ابن جریر، اور ابن جریر کا کہنا یہ ہے، یا وقلتُ، میں نے کہا، یا اقول یعنی میں کہتا ہوں۔ گویا جہاں ان کی رائے ہے وہاں اپنا حوالہ ہے اور جہاں ان کی اپنی رائے نہیں ہے تو مکمل حوالے اور سند کے ساتھ وہ بات کرتے ہیں۔

سیرت کی پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھیں۔ سیرت کی ساری پرانی کتابوں میں، ابن اسحاق کی سیرت ہو، جو اب چھپ گئی ہے یا عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ہو، حتیٰ کہ واقدی ہوں جو اتنے مستند نہیں سمجھے جاتے، یا ابن سعد ہوں، ان میں سے ہر کتاب میں ہر واقعے کی پوری سند موجود ہے۔ ایک ایک جملے کی مکمل سند بیان کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ ادب، شعر، فصاحت، بلاغت، صرف، نحو اور لغت ان سب کی سندیں موجود ہیں۔

حتیٰ کہ یہ بات کہ امرؤالقیس نے کوئی شعر کس طرح کہا تھا اور کیا کہا تھا اس کی بھی پوری سند بیان ہوئی ہے۔ ایک شاعر اور ادیب تھے المفصل الضبی، انہوں نے عربی شاعری کے بہت سے قصائد جمع کیے اور اپنی زندگی کے سال ہا سال اس میں لگائے کہ عرب قبائل میں پھر پھر کے لوگوں سے پرانے اشعار سنے، اور جمع کیے اور پھر پوری سند بیان کیے کہ انہوں نے کس سے سنا، جس سے سنا اس نے کس سے سنا؟ حال آں کہ شعروادب میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ اگر آپ سے کوئی کہے کہ موجودہ دیوان غالب کی سند کیا ہے تو پوچھنے والا بھی اس سوال کو مضحکہ خیز سمجھے گا اور جس سے پوچھا جائے گا وہ بھی اس کو فضول بات سمجھے گا، حال آں کہ مرزا غالب اتنے پرانے نہیں ہیں۔ ڈیڑھ سو سال پہلے کے ہیں۔ لیکن ان کے دیوان کی کوئی سند ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ (۱۳)

حدیث کی تعریف مختلف حضرات نے مختلف انداز سے کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطبے میں حدیث کی چند تعریفیں بیان کی ہیں، اور اس ضمن میں محدثین سے منقول مختلف بیانات ذکر کیے ہیں، لیکن اس کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنی رائے جب پیش کرتے ہیں اور ان تمام بیانات کے مابین جب تطبیق دیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ تمام اہل علم ایک ہی بات کرتے چلے آرہے ہیں، الفاظ کا فرق ہے مفہوم ایک ہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی توجیہ ان کے اپنے الفاظ میں دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

> اس اختلاف سے یہ نہ سمجھئے گا کہ اس سے علم حدیث کے ذخیرے پر کوئی فرق پڑتا ہے۔ علم حدیث کا ذخیرہ وہی ہے، چاہے آپ یہ تعریف اختیار کریں یا وہ تعریف اختیار کریں یا کوئی تیسری تعریف اپنائیں۔ اس لئے کہ جو حضرات صحابہ کرام کے ارشادات اور اقوال کو بھی حدیث قرار دیتے ہیں، وہ ان کو اس لئے حدیث قرار دیتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور احوال کا پتہ چلتا ہے۔ صحابہ کرام کے اجتماعی طرز عمل سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کے رویے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رویہ کیا تھا۔ مثال کے طور پر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ کوئی کام سنت رسول ﷺ سے ہٹ کر نہیں کیا کرتے تھے۔ ہر کام سو فیصد اسی طرح کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو۔ چاہے آپ ﷺ نے وہ کام بہ طور سنت کے کیا ہو یا عادت کے طور پر، یا بہ طور ذاتی پسند ناپسند کے کیا ہو، جس چیز کا دین یا شریعت سے تعلق نہ بھی ہو اس کو بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسی طرح کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اپنا فعل اس اعتبار سے تو ان کا اپنا فعل ہے کہ ایک صحابیؓ کا فعل ہے۔ لیکن اس سے ضرور یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی خاص معاملے میں کیا رویہ اختیار فرمایا ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے رویے سے حضور ﷺ کے رویے کی بالواسطہ نشان دہی ہوتی ہے تو اس مفہوم کے اعتبار سے صحابہ کرام کے اقوال، افعال اور احوال بھی حدیث کا حصہ ہوجائیں گے۔ یہی کیفیت تابعین کی ہے کہ تابعین میں ہزاروں انسان اور ہزاروں مقدس لوگ ایسے تھے کہ جنھوں نے علم حدیث کی خدمت کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن ایسے بھی تھے جن کا علم حدیث سے زیادہ اعتنا نہیں تھا۔ وہ زندگی کی اور سرگرمیوں میں اپنے وقت کو لگاتے تھے۔ لیکن ان میں بہت سوں کے رویے اور طرز عمل سے صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کی نشان دہی ہوتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کی نشان دہی ہوتی تھی۔ اس لئے علم حدیث کی تعریف میں یہ دونوں چیزیں بعض حضرات نے شامل کی ہیں۔ (۱۴)

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے صرف ماضی کے ذخیرے کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا بل کہ اپنے غور و فکر کے ذریعے آنے والوں کے لئے نئی راہیں بھی روشن کی ہیں، اور مختلف حوالوں سے علوم حدیث کے مختلف قدرے کم معروف پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا ہے۔ چناں چہ ایک مقام پر حدیث، روایت اور سنت کے حوالے سے اہل علم کے مابین اختلاف کی نہایت بلند توجیہ فرمائی ہے، اس طرح کہ عوام الناس کے ذہنوں میں پائے جانے والے بہت سے شکوک چھٹ جاتے ہیں۔ آپ نصوص کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معانی و مطالب کے اعتبار سے نصوص کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک تو وہ قطعی الدلالہ نصوص ہیں جن کے معنی اور مفاہیم بالکل قطعی اور یقینی ہے، جن میں اختلاف رائے یا تعبیر نو کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ اور دوسری وہ نصوص ہیں جن میں ایک سے زائد تعبیروں کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد اس بات کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

> اس کے ساتھ ساتھ کچھ نصوص ایسے ہیں جن میں ایک سے زیادہ تعبیروں کی گنجائش ہے۔ اور یہ گنجائش اللہ اور رسول نے ایک مصلحت سے رکھی ہے۔ جہاں اللہ اور رسول کی حکمت اور منشا یہ تھا کہ شریعت کے احکام کو ایک سے زیادہ انداز سے سمجھا جا سکے وہاں انہوں نے ایسا اسلوب اور ایسا طرز بیان اختیار کیا جس میں ایک سے زائد تعبیرات کی گنجائش موجود ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے الفاظ ہیں جو مشترک معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن پاک فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے عربی زبان میں ایک سے زائد معنی ہیں اور وہاں سیاق و سباق میں کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھا گیا جس سے ایک معنی متعین ہو سکیں تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ قرآن مجید کی کچھ نصوص کو ایک سے زائد انداز میں سمجھا جا سکے، جن میں ایک دو کی مثالیں میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

اسی طرح سے حدیث پاک میں بھی، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہیں۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام افصح العرب تھے۔ کسی کا یہ تصور کرنا انتہائی بے بنیاد اور مہمل بات ہوگی کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ بات تو واضح کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہیں سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس موقع پر جو بات ارشاد فرمانا چاہتے تھے آپ ﷺ نے اس موقع پر وہی ارشاد فرمائی اور اس سے جو مفہوم نکلتا ہے وہی مفہوم حضور ﷺ کا مقصود تھا۔ یہ کہنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو کسی خاص حکم سے اپنے ذہن میں ایک خاص مقصد رکھتے تھے۔ لیکن چوں کہ لغت کے اعتبار سے اس لفظ کے ایک سے زیادہ مفاہیم نکل سکتے تھے اس لئے لوگوں نے اس کو اور طرح سمجھ لیا جو حضور ﷺ کی منشا کے خلاف تھا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے دوٹوک اور قطعی انداز میں ارشاد فرمانا چاہا اسے دوٹوک اور قطعی انداز میں ارشاد فرمایا اور جس چیز کے بارے میں حضور ﷺ کا ارادہ یہ تھا کہ اس کو لوگ اپنے اپنے انداز سے سمجھیں وہ بات حضور ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمائی کہ لوگ اس کو اپنے اپنے انداز سے سمجھے۔ (۱۵)

محاضرات حدیث کا چوتھا خطبہ روایت حدیث اور اقسام حدیث کے حوالے سے تفصیلات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ مختصر ترین خطبہ جو بہ مشکل بیالیس تینتالیس صفحات پر مشتمل ہے، بہت سے اہم مباحث اور مصطلحات حدیث کا احاطہ کرتا ہے۔ مثلاً متن حدیث، روایت، سماع، قرات، اجازت، مناولہ، مکاتبہ، اعلام، وصیت، وجادہ، تحمل اور ادا، راوی۔ اسی طرح اقسام حدیث پر بھی اس خطبے میں جامعیت کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور صحیح، حسن، ضعیف، موضوع پھر صحیح لعینہٖ و صحیح لغیرہٖ اور حسن لعینہٖ و حسن لغیرہٖ کے ساتھ ساتھ تواتر اور اس کے درجات، حدیث مشہور خبر واحد، مرسل، منقطع، معضل، مدلس، معلل، شاذ، منکر، متروک اور معنعن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس خطبے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے موضوع حدیث کی تخلیق کے اسباب پر بھی اختصار سے اشارہ کیا ہے اور ان علامات اور اصولوں کی جانب رہ نمائی کی ہے، جن کے ذریعے موضوع احادیث کو پہچانا جا سکتا ہے۔

اسی طرح پانچواں خطبہ علم اسناد اور رجال کے حوالے سے مباحث کا احاطہ کرتا ہے، جس میں خصوصیت کے ساتھ سند کی ضرورت اور روایت باللفظ کے حوالے سے دی گئی معلومات نہایت اہم ہیں۔

چھٹا خطبہ جرح و تعدیل کے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے۔ اس میں صحابہ اکرام میں جرح کی روایت کو نہایت تفصیل کے ساتھ مثالوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اسی خطبے میں طبقات رواۃ کی افادیت کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، بتایا گیا ہے کہ رواۃ کے طبقے کے تعیین کی روایت کی استنادی حیثیت متعین کرنے میں کیا اہمیت ہے۔ چناں چہ ڈاکٹر صاحب ایک مثال کے ذریعے اپنی بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> مثال کے طور پر امام بخاری امام زہری سے روایت کریں، تو یہ روایت درست نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ امام بخاری نے امام زہری کا زمانہ نہیں پایا۔ امام زہری کی وفات غالباً ۱۲۴ھ میں ہوئی، جب کہ امام بخاری کی ولادت ہی ۱۹۴ھ میں ہوئی ہے۔ اب ۱۹۴ھ کی ولادت اور ۱۲۴ھ کی وفات میں تو ستر اسی سال کا فرق ہے۔ اس لئے ان چیزوں سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ روایت میں کوئی جھول ہے اور فوراً اس کا تعین ہوجاتا ہے۔ (۱۶)

اسی طرح اس خطبے میں علم رجال کی شاخوں پر بھی کلام کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح مسلمان اہل علم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی ایک ایک بات کی حفاظت کے لئے علوم حدیث میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، اور نئے نئے حوالوں سے ان علوم کی شاخوں کی پرورش و پرداخت کی۔ اسی خطبے میں جرح و تعدیل اور حسن ظن کے حوالے سے بھی بحث کی گئی ہے، اور ضمناً احادیث کی کل تعداد پر بھی کلام کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ منکرین حدیث کی جانب سے اس سلسلے میں اٹھائے جانے والے سوالات یا تو لاعلمی پر مبنی ہے یا بد دیانتی پر۔ ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ جب کوئی محدث یہ کہتا ہے کہ میرے پاس ایک لاکھ احادیث ہیں تو اس سے مراد ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاکھ متون نہیں ہوتے بل کہ ایک لاکھ طرق ہوتے ہیں۔ چناں چہ مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات کے سارے طرق سات سو سے زائد ہیں، البتہ متن ایک ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں یہ سات سو احادیث ہیں، البتہ متن کے اعتبار سے یہ صرف ایک ہے۔ طرق کی محدثین کی نظر میں اہمیت بہت زیادہ تھی، کیوں کہ وہ حدیث کی اہمیت اور مقام کو متعین کیا کرتے تھے، کثرت طرق کے ذریعے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ اس حدیث کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب درست ہے، کیوں کہ ایک غلط بات پچیس تیس افراد بہ یک وقت ایک ہی طرح کے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بعینہ وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔

چناں چہ امام یحییٰ بن معین جو صحابہ کے بعد محدثین میں سب سے اونچے درجے میں شمار ہوتے ہیں، اور اپنے زمانے میں امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک مجھے کوئی حدیث تیس طرق سے نہ مل جائے میں اپنے کو یتیم سمجھتا ہوں۔ (۱۷)

اسی خطبے میں جرح و تعدیل کے مشہور ائمہ اور ان کے درجات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ساتواں خطبہ تدوین حدیث کے حوالے سے ہے، جس میں عربوں کے قوت حفظ کا بھی بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے اور کتابت حدیث کے حوالے سے بھی تفصیلات موجود ہیں۔

آٹھواں خطبہ محدثین کے اسفار و خدمات حدیث کے حوالے سے ہے اور نہایت اہم معلومات فراہم کرتا ہے، مثال کے طور پر اسفار محدثین کے عنوان کے تحت ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ سفر کیوں اختیار کیئے جاتے تھے، اور ان سے کیا مقاصد حاصل ہوتے تھے۔ یہ بحث نہایت وقیع معلومات کی حامل ہے۔ اسی بحث کے ضمن میں علم حدیث کے حصول کے لئے سفر کے آداب بھی بیان کئے ہیں اور محدثین کی قربانیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ حصہ جہاں ایمان افروز بیانات سے مملو ہے، وہی آج کے سہولتوں سے بھرپور دور میں علمی روایت سے وابستہ ہم جیسے طالب علموں کی سہل پسندی کی موجود صورت حال کو بھی سامنے لاتا ہے۔ جو ہمارے لئے عبرت اموز بھی ہے اور سبق اموز بھی۔

نواں خطبہ علوم حدیث پر مشتمل ہے۔ اس خطبے میں ایک بحث ضعیف حدیث پر عمل کے عنوان کے تحت ہے۔ یہ بحث نہایت اہم ہے اور بہت سی ذہنی الجھنوں اور اشکالات کے دور کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا باعث ہے۔ اور بہت وضاحت کے ساتھ اس موضوع پر صحیح اسلامی رویے کو بیان کرتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب علامہ ابن حجر کے حوالے سے ضعیف احادیث پر عمل کے سلسلے میں ایک اصول یہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی ضعیف حدیث پر عمل کررہا ہو تو یہ سمجھ کر کرے کہ یہ ثابت شدہ حدیث نہیں ہے، بل کہ احتیاطاً اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کرلیا جائے، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد بغیر عمل کے باقی نہ رہے۔ (۱۸)

دسواں خطبہ کتب حدیث اور شروح حدیث کے تعارف اور ان کے خصوصیات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور گیارہواں خطبہ برصغیر میں علم حدیث کی روایت اور اس کی تفصیلات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس خطبے میں شیخ عبدالحق محدیث دہلوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، میاں نذیر حسین، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا انور شاہ کشمیری، نواب صدیق حسن خاں، علمائے فرنگی محل اور دائرۃ المعارف عثمانیہ وغیرہ کی خدمات کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

آخری خطبہ ''علم حدیث دور جدید میں'' کے زیر عنوان ہے۔ جس میں کچھ نئے موضوعات اور نئے تحقیقی رجحانات اور ضرورتوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ محاضرات حدیث کا مختصر ترین خاکہ تھا، جس کے ذریعے ہمیں اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کے خطبات کن کن حوالوں سے ہمارے لئے مفید ہیں اور حدیث وعلوم حدیث کے حوالے سے ہمارے لئے فکر وعمل کے کن کن زاویوں کو روشن کرتے ہیں۔

ان سطور کا اختتام کرتے ہوئے ہم ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں حدیث وسنت کے مضامین کی اہمیت اور آج کے انسان کے لئے اس کی رہ نمائی کی ضرورت کے حوالے سے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہیں، جو انہوں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، یہ ایمان افروز واقعہ ہمارے لئے چشم کشا ہے۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر موریس بکائے نے بخاریؒ کی سو احادیث منتخب کرکے ان کا جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں جائزہ لیا۔ اس جائزے پر مبنی مقالہ شائع کرنے سے قبل وہ ڈاکٹر حمید اللہ کے پاس لائے۔ انہوں نے دیکھا کہ منتخب کردہ احادیث کے سو بیانات میں سے اٹھانوے کو تو ڈاکٹر بکائے نے درست قرار دیا تھا، لیکن دو کو غلط بتایا تھا۔ ان دو بیانات میں سے ایک یہ تھا کہ جب کھانے میں کوئی مکھی گر جائے تو اس کو پورا اندر ڈبو کر نکال لو کہ مکھی کے ایک پر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے۔ جب وہ گرتی ہے تو بیماری والا حصہ کھانے میں پہلے ڈالتی ہے، تم دوسرا پر بھی ڈبو لو تا کہ شفا والا حصہ بھی کھانے میں ڈوب جائے۔ ڈاکٹر بکائی کا خیال تھا کہ مکھی کے کسی پر میں شفا نہیں ہوتی، وہ تو گندی چیز ہے۔ دوسری بات جو بکائی کے نزدیک غلط تھی، وہ یہ تھی کہ بنی عرینہ کے لوگوں کو مدینے میں آکر ایک بیماری لگ گئی۔ اس بیماری سے ان کے رنگ زرد ہو گئے، پیٹ پھول گئے اور ایک خاص انداز کا بخار گویا زرد بخار ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: تم مدینے سے باہر فلاں جگہ چلے جاؤ۔ وہاں رہو اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔ ڈاکٹر بکائے کا موقف تھا کہ پیشاب تو جسم کا Refuse ہے، اس سے علاج کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ڈاکٹر بکائے سے کہا: میں سائنس دان تو نہیں ہوں، البتہ ایک عام آدمی کے طور پر میرے کچھ شبہات ہیں، اگر آپ وہ دور کر دیں تو پھر بے شک اپنی اس تحقیق کو اپنے اعتراضات کے ساتھ شائع کر دیں۔ ایک یہ کہ سائنس دان جب تجربات کرتے ہیں تو ایک تجربے کے دو بار صحیح ثابت ہونے پر اسے پچاس فیصد درجہ دیتے ہیں، تین چار مرتبہ صحیح ہونے پر اس کا درجہ بڑھ جاتا ہے، چار پانچ مرتبہ کے تجربے کے بعد کہا جاتا ہے کہ فلاں بات سو فیصد صحیح ثابت ہوگئی، حال آں کہ سو بار تجربہ نہیں کیا ہوتا۔ ڈاکٹر بکائے نے اس بات کو تسلیم کیا تو ڈاکٹر حمید اللہ نے کہا: پھر جب آپ نے صحیح بخاری کے سو میں سے اٹھانوے بیانات تجربہ کر کے درست قرار دیے ہیں تو سائنسی اصول کی روشنی میں آپ کو بقیہ دو بیانات بھی درست ماننے چاہئیں۔ دوسری بات یہ کہ آپ انسانوں کا علاج کرتے ہیں، جانوروں کے ماہر نہیں، نہ ہی آپ کو یہ معلوم ہے کہ دنیا میں کتنی قسم کے جانور پائے جاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ علم حیوانات میں کون کون سے شعبے اور کون کون سی ذیلی شاخیں ہیں اور ان میں کیا کیا چیزیں پڑھائی جاتی ہیں؟ لیکن اگر علم حیوانات میں مکھیات کا کوئی شعبہ ہے تو آپ اس شعبے کے ماہر نہیں ہیں۔ کیا آپ نے سروے کیا ہے کہ دنیا میں کل کتنی قسم کی مکھیاں ہیں اور کون سی مکھیاں کس موسم میں کہاں پائی جاتی ہیں؟ جب تک آپ عرب میں ہر موسم میں پائی جانے والی مکھیوں کا تجربہ کر کے، ایک ایک جز کا معائنہ کر کے لیبارٹری میں چالیس پچاس سال لگا کر یہ پتہ نہ چلا لیں کہ ان میں کسی بھی مکھی کے پر میں کسی بھی قسم کی شفا نہیں ہوتی، اس وقت تک آپ یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں کہ مکھی کے پر میں بیماری یا شفا نہیں ہوتی؟ پھر اگر آپ یہ ثابت بھی کر دیں کہ مکھی کے پر میں [illegible] نہیں ہوتی، [illegible] سال قبل [illegible] مکھیاں نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی تھیں؟ ڈاکٹر بکائے نے اسے بھی درست تسلیم کرلیا۔ بکائے کے دوسرے اعتراض سے متعلق ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں بہ طور ایک عام آدمی کے یہ سمجھتا ہوں کہ بعض بیماریوں کا علاج تیزاب سے بھی ہوتا ہے۔ دواؤں میں ایسڈ شامل ہوتے ہیں۔ جانوروں کے پیشاب میں کیا ایسڈ شامل نہیں ہوتا؟ آج کے خالص اور آپ کے بہ قول پاک ایسڈ کے مقابلے میں ممکن ہے عرب میں اس کا رواج ہو کہ کسی نیچرل طریقے سے لیا گیا کوئی ایسا لیکویڈ جس میں تیزاب کی ایک خاص مقدار پائی جاتی ہو، بہ طور علاج استعمال ہوتا ہو۔ آج سے کچھ سال پہلے میں نے ایک کتاب پڑھی تھی۔ ایک انگریز سیاح ڈاؤٹی نے ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ عرب کی سیاحت کی اور اس کے جغرافیے پر دو بڑی زبردست کتابیں Arabia Deserta اور Arabia Petra تحریر کیں۔ اس نے اپنی یادداشت میں لکھا کہ جزیرہ عرب کے سفر کے دوران ایک موقع پر میں بیمار پڑ گیا۔ میرا پیٹ پھول گیا، رنگ زرد ہو گیا اور مجھے زرد بخار کی طرح کی ایک بیماری لگ گئی۔ میں نے دنیا میں جگہ جگہ اس کا علاج کروایا، کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر جرمنی میں ایک بڑے ماہر ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ جہاں تمہیں یہ بیماری لگی ہے، وہاں جاؤ۔ ممکن ہے وہاں کوئی مقامی طریقہ علاج ہو۔ میں واپس عرب گیا۔ جس بدو کو میں نے خادم کے طور پر رکھا ہوا تھا، اس نے دیکھ کر کہا: یہ بیماری آپ کو کب سے ہے؟ میں نے کہا، کئی ماہ ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا: ابھی میرے ساتھ چلئے۔ وہ مجھے اونٹوں کے باڑے میں لے گیا اور کہا: آپ کچھ دن یہاں رہیں اور اونٹ کے دودھ اور پیشاب کے علاوہ کچھ نہ پییں۔ میں حیرت زدہ تھا کہ ایک ہفتے کے علاج کے بعد میں بالکل ٹھیک ہو گیا۔ یہ سن کر موریس بکائے نے اپنے دونوں اعتراضات واپس لے لیے اور اپنا مقالہ ان کے بغیر ہی شائع کر دیا۔ (۱۹)

محاضرات حدیث کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کی یہ کاوش ڈاکٹر صاحب کے اس سلسلے کی دوسری کتب کی طرح نہایت وقیع ہے، اور علوم حدیث کے حوالے سے نہایت جامعیت کے ساتھ تمام مباحث کا احاطہ کرتی ہے، اسلوب کی تازگی اور سلاست نے اس بیان کو مزید قدر و منزلت عطا کر دی ہے، ادق مباحث کو نہایت آسان زبان میں خارجی مثالوں سے سمجھانا ایک استاد کی خوبی سمجھا جاتا ہے، ڈاکٹر محمود احمد غازی بنیادی طور پر ایک استاد تھے، ان کی یہ خوبی محاضرات حدیث میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس بنا پر اردو میں یہ کتاب، اردو زبان کو بھی ثروت مند کرنے کا اعزاز رکھتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتہ جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا ہے کہ دیگر محاضرات کی طرح محاضرات حدیث کی زبانی مختصر نوٹس کی مدد سے دیئے گئے۔ اس بنا پر ضرورت ہے کہ ان پر نظر ثانی کی جائے، حوالہ جات کا اہتمام کیا جائے، اور ایک مکمل انڈیکس کے ساتھ انہیں از سرِ نو طبع کئے جائے، تاکہ عامۃ الناس کے ساتھ ساتھ ہم جیسے سہل پسند بھی اس سے پوری طرح استفادہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو ہم سے رخصت ہونے والے فاضل مولف کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

حواشی وحوالہ جاُت

۱۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کی جانب سے دیئے گئے محاضرات اور خطبات کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، چناں چہ تحقیقات حدیث کے گزشتہ شماروں میں بھی دو ایسے محاضرات شائع ہو چکے ہیں، جو علوم حدیث سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو ڈاکٹر صاحب کے کسی مجموعے کا حصہ نہیں۔ اسی طرح اسلام اور مغرب کے حوالے سے بارہ خطبات ومحاضرات کا مجموعہ راقم نے ترتیب دیا ہے، جس کا دوسرا ایڈیشن حال ہی میں زوار اکیڈمی پبلی کیشنز سے شائع ہوا ہے۔ تعلیم پر بھی ڈاکٹر صاحب کے محاضرات راقم کی ترتیب سے الشریعہ اکادمی گجراں والا سے شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا سید زوار حسین یادگاری خطبات کے سلسلے کے چار خطبے خطبات کراچی کے عنوان سے زوار اکیڈمی شائع کر چکے ہیں، سود اور بنکاری کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے خطبات کا دوسرا ایڈیشن اسلامی بنکاری ایک تعارف کے عنوان سے زیر ترتیب ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کے دیگر خطبات و مقالات میں سے میسر آنے والے مقالات وخطبات وقتاً فوقتاً ہمارے ماہانہ مجلّے تعمیر افکار میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ محاضرات حدیث۔ لاہور، الفیصل ،۲۰۰۴ء: ص ۲۶۳

۳۔ ایضاً: ص ۲۶۴

۴۔ ایضاً

۵۔ محاضرات حدیث: ص ۱۰۲

۶۔ محاضرات حدیث: ص ۵۸

۷۔ محاضرات حدیث: ص ۵۴

۸۔ مثال کے طور پر تحقیقات حدیث کے گزشتہ شمارے، شمارہ نمبر ۴ میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون بہ عنوان علمِ حدیث کی تاریخی حیثیت خاصے کی چیز ہے، اور مطالعے سے تعلق رکھتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ محاضرات حدیث: ص۱۲۱

۱۰۔ البقرہ:۱

۱۱۔ محاضرات حدیث: ص۱۰۴

۱۲۔ محاضرات حدیث: ص۱۰۴

۱۳۔ محاضرات حدیث: ص۲۱۸

۱۴۔ محاضرات حدیث: ص

۱۵۔ محاضرات حدیث: ص۹۶

۱۶۔ محاضرات حدیث: ص۲۲۴

۱۷۔ محاضرات حدیث: ص۲۴۱

۱۸۔ محاضرات حدیث: ص۳۵۲

۱۹۔ محاضرات حدیث، ص۴۵۰-۴۵۴

© rasailojaraid.com